اِسلام میں مقاصدِ تعلیم اور نصابِ تعلیم

از: ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

اِسلامی نصابِ تعلیم کے دو پہلو بہت اہم ہیں

(۱) تزکیہ (۲) تسویہ

۱۔ تزکیہ تزکیہ انسان کی خداداد صلاحیتوں اور فطری اہلیتوں کی تعلیم، تربیت اور تہذیب کرتا ہے۔ ان صلاحیتوں کی نشوونما میں انسان کے داخلی و خارجی مضرت رساں عناصر کو ختم کر کے انہیں پروان چڑھاتا ہے۔ رذائل سے پاک کرتا ہے اور فضائل سے آراستہ کرتا ہے۔ انسان کی قوتِ شہوانیہ اور غضبیہ میں افراط و تفریط کی جگہ اعتدال اور توازن پیدا کرتا ہے۔ تزکیہ اخلاق کریمانہ کے مطابق تعمیرِ کردار اور تشکیلِ شخصیت کرتا ہے۔ انسان کو تخلیقی و تعمیری کام انجام دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ تخریب اور فساد سے روکتا اور تعمیر و ترقی کی شاہراہ پہ گامزن کرتا ہے۔ تزکیہ انسان میں حریت فکر، اخوت و مساوات، خدمت و ایثار کے اوصاف پیدا کرتا ہے۔

تزکیہ کی اساس پر مرتبہ نصابِ تعلیم طلباء میں جذبۂ عمل کو بیدار کرتا ہے اور عمل کو راہِ راست پر قائم رکھنے کے لئے علم کے حصول کو لازم قرار دیتا ہے۔ ایسے نصابِ تعلیم کے فارغ التحصیل ترک دنیا اور رہبانیت سے اجتناب کرتے ہیں اور حرکت و حرارت کے عمل

© rasailojaraid.com

کو دستورِ حیات بناتے ہیں - حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا رھبانیۃ فی الاسلام" اسلام میں ترک دنیا کی کوئی گنجائش نہیں - ایک ارشاد گرامی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رھبانیۃ الاسلام الجھاد" اسلام کی رہبانیت جہاد ہے - یہ دونوں فرامین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصاب تعلیم کے اہم رہنما اصول ہیں - پہلے ارشاد کے مطابق ایسے نصاب تعلیم کی ممانعت کی گئی ہے جو طلباء کو رہبانیت و ترک دنیا، تعطل اور جمود کی طرف لے جائے - دنیا سے فرار اور مصائبِ حیات سے اجتناب کی تعلیم اسلامی نصابِ تعلیم کے لئے نامانوس بات ہے - دوسرے ارشادِ گرامی کے مطابق اسلام میں جس رہبانیت کو جائز قرار دیا گیا ہے وہ جہاد ہے - جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی نصاب تعلیم میں جہاد کی روح کو بنیادی اہمیت دی جائے - جہاد دو طرح کا ہے - ایک جہاد بالسیف تلوار کا جہاد جسکا فریضہ میدان جنگ میں ادا کیا جاتا ہے - دوسرا جہاد فی الحسنات ہے - یہ زندگی کے ہر شعبہ میں انجام دیا جاتا ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فی الحسنات یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں جہاد کو جہادِ اکبر قرار دیا اور میدانِ جنگ کو جہادِ اصغر سے تعبیر کیا - ایک جنگ سے واپسی پر آپؐ نے فرمایا -

"رجعنا من جھاد الاصغر الی جھاد الاکبر" - ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف پلٹے ہیں - آپؐ نے میدانِ جنگ میں جہاد کو اس لئے جہادِ اصغر قرار دیا کہ اس میں مجاہد ایمانی جوش و ولولہ کے تحت مختصر مدت میں غازی یا شہید کے بلند مقام پر فائز ہو جاتا ہے - جبکہ جہادِ زندگانی میں اسے طاغوتی قوتوں کے خلاف پوری زندگی مسلسل جہاد کرنا پڑتا ہے - جو زیادہ صبر آزما ہوتا ہے - اس موخر الذکر جہاد میں مجاہد کو اپنی مجاہدانہ جارحانہ اور مدافعانہ قوت کو ہر لمحہ جہاد کے لئے تیار رکھنا پڑتا ہے - اور اسے مسلسل استعمال میں لانا پڑتا ہے - اس لئے اس طویل المدت صبر آزما اور کٹھن جدوجہد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادِ اکبر سے تعبیر فرمایا ہے - اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں رہبانیت اور جہاد کے تصور کے فرق و امتیاز کو واضح فرما دیا - دوسرے مذاہب میں ایک مذہبی شخص خلوت و غار میں خلوت نشینی اور انسانی روابط سے قطعِ تعلق کر کے جس روحانی لذت و سرور کے حصول کا تصور کرتا ہے مسلمان یہ اخلاقی و روحانی لذت و سرور عین میدانِ جنگ اور جہدِ حیات سے

.com

حاصل کرتا ہے۔ اس اعتبار سے اسلام نے دوسرے ادیان پر فوقیت حاصل کرلی۔ کیونکہ دوسرے ادیان میں رُوحانی و اخلاقی بلندی صرف ترکِ دُنیا اور خلوت نشینی سے حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ اسلام میں لذّت و سرور بلکہ اس سے اعلیٰ، ارفع اور افضل مقام تلاطمِ حیات میں مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ بحث اس بات کا کافی ثبوت ہے۔ کہ تزکیہ پر مبنی نصابِ تعلیم زیرِ تعلیم طلباء کی خداداد صلاحیتوں کو اُجاگر کرتا ہے۔ انکی فطری استعداد کی نشوونما کی راہ میں حائل رکاوٹ کو دُور کرتا ہے اور ان میں جذبۂ عمل کی وافر قوّت پیدا کرتا ہے۔

۲۔ تسویہ اسلامی نصابِ تعلیم کا دوسرا اہم پہلو "تسویہ" ہے۔ تسویہ سے مراد مساوات و برابری ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی نصابِ تعلیم کی ترتیب و تدوین ایسے انداز میں کی جائے کہ اسکے زیرِ تعلیم طلباء میں معاشرتی، معاشی سیاسی، قانونی، عدالتی، تہذیبی، تمدنی اخوّت، مساوات اور برابری کے جذبات پروان چڑھیں۔ تسویہ پر مبنی نصابِ تعلیم کے فارغ التحصیل جب ملک و ملّت کے معزز شہری بنیں تو وہ معاشرتی، معاشی، سیاسی اور قانونی مساوات کے جذبہ سے سرشار ہوں۔ وہ ایسا معاشرہ معرضِ وجود میں لانے کے علمبردار اور داعی ہوں جو اسلامی اخوّت و مساوات پہ مبنی ہو۔

عہدِ رسالت کے نصاب میں تسویہ کو مرکزی اور محوری حیثیت حاصل تھی۔ قرآن حکیم میں ایسی آیات کثیر تعداد میں موجود ہیں جو سب انسانوں کو برابری کی تعلیم دیتی ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۔

ترجمہ: لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے بنایا تم کو ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا، اور بکھیرے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو، اللہ سے جس کا واسطہ دیتے ہو آپس میں اور خبردار رہو ناتوں سے۔ اللہ ہے تم پر مطلع۔

© rasailojaraid.com

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ہ

ترجمہ: اے انسانو! ہم نے تم کو بنایا ایک نر اور مادہ سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور گوتیں، تاکہ آپس کی پہچان ہو، بے شک عزت اللہ کے ہاں اسی کو بڑی جس کو ادب بڑا۔ اللہ جانتا ہے خبردار۔

ایسی اور بہت سی آیات انسانوں کی برابری اور مساوات کی تعلیم دیتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد کے نصابِ تعلیم میں تسویہ کے اصول کو ہر سطح پر اپنایا۔ قبل از اسلام معاشی، معاشرتی، سیاسی، و قانونی طور پر جو امتیازات تھے ان سب کو ختم کر کے ایک ایسی امت پیدا کی جس میں تمام انسانوں کے حقوق برابر تھے۔ کسی شخص کو رنگ نسل، اور علاقہ کی بنیاد پر کسی دوسرے پر کوئی فوقیت و فضیلت حاصل نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نصابِ تعلیم سے فارغ التحصیل انسان اسلام کے اصولِ اخوت و مساوات کے عمدہ نمونہ تھے جسے قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ۔ سب مومن بھائی ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اسلامی نصابِ تعلیم کے تربیت یافتہ تمام خواتین وحضرات کو جمع کر کے عالمگیر اصولِ مساوات واخوت کا اعلان فرمایا۔

"فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی ابیض ولا لابیض علی اسود فضل الا بالتقوی

(خطبۃ الوحجۃ الوداع) ترجمہ: کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔

عہدِ خلافتِ راشدہ کے نصابِ تعلیم میں تسویہ کو بنیادی اہمیت دی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ راشد نے اپنے نصابِ تعلیم میں معاشیات کے مضمون میں نظامِ تقسیمِ دولت کی بنیاد تسویہ پر قائم کی۔ تمام محدثین، مورخین، اصحابِ سیر اور فقہا کا اس پر اجماع ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظامِ تقسیم

.com

دولت میں چھوٹے بڑے، مرد، عورت، آزاد غلام سب کو برابر قرار دیا گیا تھا۔ فقہ حنفیہ کے عظیم امام حضرت ابو یوسف رح نے اپنی مشہور تصنیف "کتاب الخراج" میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ نظام کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے:-

نقسمها بين الناس بالتسوية على الصغير والكبير والحر والمملوك والذكر والانثى (صفحہ ۴۵)

حضرت ابو بکرؓ نے تسویہ کے اصول کے تحت لوگوں میں مال تقسیم کیا۔ چھوٹوں بڑوں، آزادوں، غلاموں اور مردوں عورتوں سب کو برابر برابر دیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظام میں اُمتِ مسلمہ کے تمام افراد برابر ہیں۔ امام ابو یوسف رح کی مذکورہ بالا عبارت کو غور سے دیکھا جائے تو انسانوں کی کوئی قسم باقی نہیں رہتی جس کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ اس میں چھوٹے بڑے افقی اور عمودی اعتبار سے سب انسان شامل ہیں۔ جس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنس کی بنیاد پر معاشی و معاشرتی طور پر مرد و عورت کے درمیان فرق و امتیاز کو ختم کر دیا۔ اسی طرح آزاد و غلام کو برابر معاشی حیثیت دیکر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی جو نظام قائم کیا تاریخ شاہد ہے کہ اس کی نظیر نہ اسلام سے پہلے موجود تھی اور نہ عہدِ حاضر کا کوئی نظام انسانی مساوات و اخوت کے اس بلند مقام کو حاصل کر سکا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تسویہ کی جگہ "تفضیل" کو اپنایا جس کے مطابق بعض کو بعض پر معاشی و معاشرتی طور پر ترجیح دی گئی۔ اس کے نتیجہ میں دولت بعض ہاتھوں میں جمع ہونے لگی۔ جس سے کنز اور احتکار کی صورت پیدا ہوئی۔ کنز و احتکار قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝

(سورۃ التوبہ آیت ۳۴، ۳۵)

© rasailojaraid.co

ترجمہ: جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں جسے وہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دو جس دن اسے دوزخ کی آگ میں دھکایا جائے گا اور ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں اسی میں داغی جائیں گی - یہ ہے جو تم اپنے لئے جمع کرتے تھے اب چکھو جو تم جمع کرتے تھے -

ان نتائج کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "تفضیل" (بعض کو بعض پر ترجیح) کے نظام کو ختم کر کے تسویہ (سب کو برابر دینے) کے نظام کو اپنانے کا فیصلہ کیا - آپ کے اعلان کے الفاظ یہ ہیں :-

لئن عشت الی ھذہ اللیلہ من قبل لالحقن اخری الناس باولاھم حتی یکونوا فی العطاء سواء (ص۵۰)

اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو پچھلے لوگوں کو پہلے لوگوں کے ساتھ ملادوں گا - حتی کہ وہ سب معاشی طور پر برابر ہو جائیں -

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تفضیل کے نظام کو اپنا کر عملی طور پر تجربہ کر لیا اور ثابت کر دیا کہ یہ نظام اسلامی نظام تسویہ کے خلاف اور اس سے متصادم ہے لہٰذا آپ نے تفضیل کو منسوخ کر کے اس کی جگہ تسویہ کو نافذ کرنے کا اعلان فرمایا - حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جو شورش ہوئی اس میں ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ تفضیل کے نظام کو ختم کیا جائے کیونکہ اس سے نہ صرف عربوں کے مختلف طبقات میں امتیاز برتا جارہا ہے بلکہ عربوں اور عجمیوں میں اس امتیاز نے بطور خاص زیادہ تباہ کن صورت اختیار کر لی ہے - یہ کیفیت مساوات و اخوت کی اسلامی تعلیمات کے منافی ہے اس لئے تسویہ کے نظام کو اپنایا جائے - چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منجملہ دیگر مطالبات کے اس مطالبہ کو اصولی طور پر تسلیم کر لیا مگر آپ رضی شہید کر دیئے گئے -

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے پورے عہد خلافت کے دوران مسلسل تسویہ کے نظام کو اپنایا اور اسلامی تعلیمات کے مطابق معاشی، معاشرتی، اور قانونی طور پر تسویہ کو نافذ کیا -

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تسویہ اسلامی نصاب کا بنیادی اور مرکزی

.com

اُصول ہے جس کے بارے میں کتاب وسنّت میں تعلیم دی گئی ہے اور جسے عہدِ رسالت اور عہدِ خلافت راشدہ میں عملاً نافذ کر کے نظام کی صورت میں چلا یا گیا۔ اس کا تقاضا ہے کہ پاکستان کے نصاب تعلیم میں مسلمانوں میں اخوّت ومساوات پیدا کرنے کے لئے پاکستان کے نصاب تعلیم میں اسلام کے نظام تسویہ کو اساس بنایا جائے۔

اب قرآن وسنت پر مبنی اسلامی نصابِ تعلیم کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

اسلام کا نظام تعلیم وتربیت دنیا میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ یہ انتہائی مبارک ومسعود ہے۔ اس کی ترتیب، تدوین اور تقنین وتخطیط ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ اس سے ملّتِ ابراہیمی اور امّتِ محمدیہ کے درمیان دینی اور روحانی گہرے روابط استوار ہوئے۔

نظام تعلیم چار بنیادی عناصر پر مشتمل ہوتا ہے:۔

(۱) مرکز تعلیم (۲) طلبہ (۳) معلم (۴) نصاب تعلیم وتربیت۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی لازوال عظمت وبصیرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے نظام تعلیم وتربیت کے ان چاروں عناصر کا تصوّر فرمایا اور انہیں معرضِ وجود میں لانے کے لئے اللہ تعالےٰ سے قبولیت کی دُعا فرمائی۔

(۱) تعمیر بیت اللہ (مرکز تعلیم)
(۲) تخلیق اُمّت مسلمہ (طلبہ)
(۳) بعثت محمّدی (معلّم)
(۴) تلاوت وتزکیہ اور تعلیم وحکمت (نصابِ تعلیم وتربیت)

۱۔ تعمیر بیت اللہ (مرکزی تعلیم وتربیت)

مرکزی تعلیم وتربیت کی تاسیس وقیام کیلئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۲ - ۱۲۷)

اور جب ابراہیم اور اسماعیل وبیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (تو دُعا کئے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار (ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک

© rasailojaraid.com

تو سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

۲ - تخلیق امتِ مسلمہ (طلبہ)

درسگاہ بیت اللہ میں عبادت اور حصول تعلیم و تربیت کے لئے آپ نے امت مسلمہ کی تخلیق کے لئے دعا فرمائی ۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۔ (۲: ۱۲۸)

اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیئے اور ہماری اولاد میں سے ایک امت مسلمہ پیدا فرمایئے ۔

اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور اُمت مسلمہ پیدا فرمائی ۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (۲: ۱۴۳)

اور اس طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو ۔

۳ - بعثت محمدی (معلّم)

درسگاہ بیت اللہ میں امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دینے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک رسول کی بعثت کے لئے دعا فرمائی ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ۔ (۲: ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار اس امت میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما ۔

اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی اور امت مسلمہ میں اپنے فیض و کرم اور فضل و احسان سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ

خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا ۔

۴ - نصاب تعلیم و تربیت

امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک نصاب تعلیم و تربیت

تجویز فرمایا اور بارگاہ رب العزت میں منظوری کے لئے پیش فرمایا:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ -

وہ ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے - اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے -

اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مجوزہ نصاب تعلیم و تربیت کو شرف قبولیت بخشا اور اس کے مطابق امت کی تعلیم و تربیت کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا -

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ط (۲:۶۲)

وہی تو ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے - ان کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے -

ان مباحث سے معلوم ہوا کہ تعمیر بیت اللہ، تخلیق امت مسلمہ بحیثیت محمدیؐ اور تجویز و ترتیب نصاب تعلیم ایک ہی مقدس و مہذب سلسلے کی مضبوط و مرصوص کڑیاں ہیں - اس کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ السلام ابو الانبیاء سے ہوا اور تکمیل سید المرسلین، رحمت للعالمین اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی -

عہد نبوی کا نظام تعلیم و تربیت انہیں عناصر اربعہ پر استوار تھا - جن کی تجویز و ترتیب اور تاسیس و تشکیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی - اب ان چاروں عناصر کی مختصر طور پر اہمیت بیان کی جاتی ہے -

مرکز تعلیم

انسانیت کی اوّلین عبادت گاہ اور مرکز تعلیم و تربیت بیت اللہ شریف ہے - اسے دنیا کے تمام مراکز اور درسگاہوں پر جن خصوصیات کی بنا پر فوقیت حاصل ہے قرآن نے ان کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۝ (۳:۹۶)

© rasailojaraid.co

یہ گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکے میں ہے مبارک اور دنیا کے
لئے موجب ہدایت ۔

اس آیت میں بیت اللہ کی دو صفتیں بیان ہوئی ہیں (۱) مبارک (۲) ہدی للعالمین
ایک جگہ بیت اللہ کی صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس میں داخل ہونے والے کو امن
وسکون نصیب ہوتا ہے ۔

مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا ۔(۲:۹۷) جو اسمیں داخل ہوا اس نے امن پالیا۔

ایک جگہ بیت اللہ کو انسانیت کی اجتماع گاہ اور امن گاہ قرار دیا گیا ہے ۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۔ (۲ : ۱۲۵) اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا ۔

قرآن وسنّت اور سیرت وتاریخ میں بیت اللہ کی اور بھی کئی صفات بیان ہوئی ہیں ، مذکورہ آیات میں بیت اللہ کی صفات یہ ہیں :

مبارک ہدی للعالمین ، اجتماع گاہ انسانیت اور امن گاہ انسانیت ، ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی تعمیر فرمائی ۔ یہ مسلمانوں کا دوسرا بڑا تعلیمی وروحانی مرکز قائم ہوا ۔ اور یہ بھی انسانیت کے لئے برکت، ہدایت اجتماع اور امن کا موجب ثابت ہوا ۔ اسی طرح جیسے جیسے انسانیت دائرہ اسلام میں داخل ہوتی چلی گئی اور اسلام اکناف واطراف عالم میں پھیلتا چلا گیا ویسے ویسے ان اولین اسلامی تعلیمی وروحانی مراکز کی طرز پر تعلیم وعبادت گاہیں قائم ہوتی چلی گئیں مسلمانوں کی درسگاہیں بابرکت ہوتی تھیں کیونکہ ان کے پاس سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں خلوص ، نیک نیتی اور تقویٰ کی بنیاد پر ان کی تعمیر کرتے تھے ۔ ان میں رشد وہدایت کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ ان میں برکت وہدایت کی موجودگی انسانیت کو اپنی طرف کھینچتی تھی اور متلاشیان حق اور تشنگان علم جوق درجوق ان اجتماع گاہوں کی طرف کھنچے چلے آتے تھے ۔ ان کا پرامن اور پرسکون ماحول علم وتحقیق کے لئے مہمیز اور تعقل وتفکر کے لئے تحرک وحرارت کا باعث بنتا تھا ۔

درحقیقت اسلامی درسگاہوں میں برکت اور ہدایت کا ماحول طلبہ کی خدا داد

صلاحیتوں کو ابھرنے پر آمادہ کرنا، اور امن و اجتماع کی معتدل خوشگوار اور سازگار فضا انہیں بڑھنے پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے کے وسیع تر اور وافر مواقع فراہم کرتی تھی۔ مسجد نبوی بطور درسگاہ نظم و نسق کے اعتبار سے، مثالی امن و سکون کے اعتبار سے نمونہ برکت و ہدایت کے اعتبار سے بے مثل صحابہ کرام علوم و فنون کی ہر نوع کا علم حاصل کرتے۔ مختلف مسائل حیات پر اجتہاد و تحقیق کی تربیت پاتے، تلاش و جستجو کی تڑپ کے تحت بہت سے علمی فکری، اور تحقیقی سوال کرتے۔ اس آزادانہ علمی ماحول میں ان کی علمی و فکری تربیت ہوئی۔ درسگاہ میں نظم و ضبط کا سب سے بڑا اور اہم ترین قاعدہ اور قانون معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور سیرت و کردار تھا۔ جبر و اکراہ اور تحکم و تسلط کی جگہ معلم کی اخلاقی قوت اور اسکی ذات کی عظمت و رفعت تھی۔ یہ فضا صحابہؓ کی صفات عالیہ کو پروان چڑھاتی اور شر و فساد کو دخل اندازی کا موقع نہ دیتی۔

ان اسلامی درسگاہوں اور ان کے اوصاف و صفات کا موازنہ جب عہد حاضر کی درسگاہوں سے کیا جاتا ہے تو ان کے مقصد و مدعا، ان کے ماحول اور انکی فضا کا آپس میں کوئی ربط و تعلق نظر نہیں آتا۔ عہد نبویؐ کے تعلیمی و روحانی مراکز کی صفت قرآن نے یہ بیان کی ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى — مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ (۹: ۱۰۸)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہماری درسگاہوں کی بنیاد بھی تقویٰ ہی پر ہے۔ کیا ان کا مقصد و مدعا اور ان کا ماحول اور فضا وہی ہے جو عہد نبوی کی تعلیم گاہوں کی تھی؟ آج دو قسم کی درسگاہیں قائم ہیں آج جدید تعلیم کی درسگاہیں اور دوسری قدیم نظام تعلیم کی درسگاہیں، جدید نظام تعلیم کی درسگاہوں کا اصل الاصول تو مغربی فکر و فلسفہ ہے اگرچہ فروعات میں "لازمی دینیات" کے نام سے بھی ایک مضمون مختلف تعلیمی سطحوں پر شامل نصاب ہے۔ مغربی فکر و فلسفہ اپنی مبادیات اور قواعد و کلیات کے اعتبار سے اسلامی معاشرت، تہذیب و تمدن، نفسیات اور دین و عقیدہ سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں۔ حال ہی اشتراکیت و اشتمالیت نے بھی ہماری درسگاہوں پر گہرے نقوش ثبت کیے ہیں

© rasailojaraid.com

اس صورتحال سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان درسگاہوں کے سامنے ملک و ملت کے حوالے سے کوئی بنیادی مقصد و مدعا موجود نہیں ۔ اس نظام کے داعی اس کے حق میں اگر کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں تو فقط یہ کہ اس سے خواندگی کی شرح بڑھتی ہے اور نوکری مل جاتی ہے اور بس ۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب ہماری درسگاہوں کا مقصد و مدعا ہی متعین نہیں تو ان میں برکت و ہدایت اور اجتماع و امن کا ماحول کیسے پیدا ہو ۔ اور اگر ان میں انتشار و افتراق فساد و طغیان اور قتل و بغاوت ہے تو یہ اسی صورت حال کا منطقی نتیجہ ہے ۔ اگر وہ مبارک کی جگہ نامبارک، ہدایت کی جگہ ضلالت، اجتماع کی جگہ انتشار اور امن کی جگہ فساد کا نقشہ پیش کرتی ہیں تو یہ نتیجہ ہے اس نفاق کا جو تقویٰ کی جگہ ان درسگاہوں کی بنیاد ہے اور بغاوت ہے نوجوان نسل کی اس طبقہ کے خلاف جو اس نظام پر حاوی ہے جو یا تو نفاق کی وجہ سے مثبت تبدیلی کے حق میں نہیں یا نااہلیت کے سبب بہتر نظام کے قیام کے قابل نہیں ۔

دوسری درسگاہیں قدیم نظام تعلیم کی درسگاہیں ہیں جس میں عربی اور مذہبی نصاب تعلیم رائج ہے مگر عملاً بحیثیت مجموعی فرقہ واریت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے ۔ عہد مغلیہ میں یہ نظام رائج ہوا اسی وقت اس میں ریاضی، طب، تاریخ، معاشرتی علوم، انجینئرنگ انتظامیہ، عدلیہ کی تعلیم شامل نصاب تھی ۔ برطانوی عہد میں اس نصاب کا وہ باب خارج کر دیا گیا جو امور مملکت اور معاشرت سے متعلق تھا اور معاملات کے ابواب عملاً متروک ہو گئے یہ نصاب صرف عبادات تک محدود ہو کر رہ گیا قیام پاکستان کے بعد سے اب تک اس کی یہی کیفیت ہے اس سے پیدا ہونے والے لوگ عبادات کی تفصیلات و جزئیات کے ماہر ہوتے ہیں مگر دنیوی معاملات اور امور مملکت سے نابلد ہوتے ہیں یہ درسگاہیں فرقہ واریت کی آماجگاہ بن کر رہ گئی ہیں ۔ اپنے اپنے فرقے کی عصبیت طلبہ میں پیدا کی جاتی ہے ۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ مختلف فرقوں کی درسگاہوں کے احاطوں میں امن و سکون رہتا ہے مگر ان کے فارغ التحصیل جب مستند ہو کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں تشدد کی پائی جاتی ہے جس کا اندازہ مساجد و محافل کے مختلف اجتماعات اور عبادت گاہوں پر قبضہ کرنے سے ہوتا ہے ۔

ہماری جدید و قدیم درسگاہوں کو بامقصد و تعمیری خطوط پر قائم کرنے کا ایک ہی طریقہ

.com

ہے اور وہ یہ کہ ان کی بنیاد قرآن حکیم کی رہنمائی میں عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی و رُوحانی درسگاہوں کی طرح تقویٰ پر رکھی جائے۔ انہیں برکت و ہدایت کا سرچشمہ اور امن و اجتماع کا مرکز بنایا جائے۔

طلبہ

طلبہ نظامِ تعلیم کا انتہائی اہم عنصر ہیں۔ حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طلبہ صحابہ کرامؓ تھے ان کی صفات قرآن و حدیث اور سیرت و تاریخ میں موجود ہیں۔ جن کے سرسری مطالعہ سے یہ بات بخوبی سامنے آتی ہے کہ ان کا سب سے بڑا مقصد اپنی سیرت کی تشکیل، کردار کی پختگی، دنیوی امور میں مہارت اور اُخروی منافع کا حصول تھا۔ خشیتِ الٰہی کے تحت حقوق و فرائض کی تعیین اور ادائیگی میں توازن اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ایثار، قربانی، محبت، شفقت، ہمدردی، غمگساری، محنت، دیانت، قابلیت سے کام لینا تھا۔ مختلف علوم و فنون کی تحصیل کے لئے انتہاء درجے کا شوق و ذوق، محنت و مشقت، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ان کے اوصاف تھے۔

قرآن حکیم نے عقل و فکر، تدبر و تعقل پر بڑا زور دیا ہے یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبویؐ کی درسگاہوں میں اندھی تقلید اور جمود کی جگہ اجتہاد کا دور دورہ تھا۔ صحابہ کرامؓ اپنی ذہنی و فکری، قلبی اور رُوحانی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے تھے۔ ان میں افراط و تفریط کی جگہ اعتدال تھا۔ دینی اور دنیوی امور میں توازن تھا۔ علوم و فنون میں انہماک انہیں اپنے خالق و مالک کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتا تھا، اور زہد و تقویٰ دنیوی امور میں مہارت کے مانع نہیں ہوتا تھا۔ ان کے سامنے نظامِ تعلیم کا مقصد و مدعا واضح تھا۔ اس لئے وہ اس کے حصول کے لئے ہمہ تن مصروف و مشغول رہتے۔ اپنی تمام توانائیاں اس کو حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیتے اور پورے امن و سکون کے ساتھ حصولِ علم میں لگے رہتے، پوری دلجمعی کے ساتھ اعلیٰ مقاصد کا حصول ان کا مطمعِ نظر ہوتا۔ بلند و بالا امور کی طلب و جستجو کی لگن کے سبب غیر ضروری، فضول اور بیکار کاموں کے لئے ان کے پاس وقت ہی نہ تھا۔

یہی وہ صفاتِ عالیہ اور اوصافِ حمیدہ تھیں جن کی بدولت قلیل ترین مدت میں صحابہ کرامؓ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے فقہ و قانون میں وہ اجتہادات کیئے جن کی روشنی انسانیت کو آئین و قوانین کی ترتیب میں ہمیشہ راہ

© rasailojaraid.com

دکھاتی رہے گی ۔ تعمیر و تشکیل شخصیت میں انہوں نے ایسی مثالیں قائم کیں جو قیامت تک انسانوں کے لئے رہبر و رہنما کی حیثیت سے موجود رہیں گی ۔ علم و فضل اور عقل و تدبر کے ایسے شاہکار سامنے لائے جو تاریکی و جہالت سے نکلنے والوں کے لئے مشعل کا کام دیتے رہیں گے ۔ طلبا ، درسگاہ عہد نبویؐ اور طلبا ، عہد حاضر کے موازنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں انتہائی بُعد ہے ۔ ان میں شوق و ذوق اُن میں لاپرواہی و بے رغبتی ان میں اجتہاد و جستجو اُن میں جمود و بے اعتنائی ان میں مقصد و مدعا کے حصول کی تڑپ ان میں مقصد و مدعا کی بے یقینی وہ تعمیر کے لئے بے قرار یہ تخریب کے لئے بے چین وہ سراپا ادب و احترام یہ نمونہ توہین و تحقیر یہ لازم نہیں کہ اب ایسے مخلص محنتی اور بامقصد طلباء بالکل مفقود ہیں ایسا ہرگز نہیں ایسے طلبہ موجود ہیں اور ان پر قوم کو فخر ہے ۔ البتہ قابل غور امر یہ ہے کہ اس وقت کس ذہنیت کا غلبہ ہے ؟ اور تخریب و انتشار کا رُخ تعمیر و سکون کی طرف کس طرح موڑا جا سکتا ہے ۔ میری سمجھ میں صرف ایک ہی بات آتی ہے کہ طلبہ میں صفاتِ صحابہ کرام پیدا کی جائیں ۔ ان کے سامنے درسگاہ نبویؐ کے تلامذہ کا نقشہ پیش کیا جائے ان میں جوشِ عقیدہ پیدا کیا جائے اور اس عقیدہ کے مضمرات ان کے عمل اور سیرت و کردار کا روپ دھارتے چلے جائیں ۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ صحابہ کرامؓ کے علمی کارناموں اور حصولِ علم میں ان کی جدوجہد اور مصائب و آلام کی برداشت پر مبنی نصاب تیار ہو ۔

معلّم نظام تعلیم و تربیت میں معلّم کو مرکزی و محوری حیثیت حاصل ہوتی ہے اسلامی نظام تعلیم کے اوّلین معلّم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ آپؐ کا ارشاد ہے :۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ہ — مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے ۔

اس منصب پر فائز ہوتے ہی سب سے پہلے آپؐ نے اپنی قبل از نبوت سیرت و کردار کے بارے میں اپنے اہل شہر سے دریافت فرمایا کہ میں آپ لوگوں میں زندگی بسر کر چکا ہوں ۔ آپ نے مجھے کیسا پایا ؟ سب لوگوں نے شہادت دی کہ ہم نے آپؐ کو ہمیشہ صادق و امین پایا ۔ ہم نے آج تک آپؐ سے سوائے سچ کے کچھ نہیں سنا ۔ اہل شہر کی اسی شہادت کو قرآن حکیم نے اس آیت کریمہ میں بیان کیا ہے ۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ — میں قبل ازیں تم میں ایک عمر گزار

.com

قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ چکا ہوں کیا تم سمجھتے نہیں ۔

آپؐ کے خلقِ عظیم کی شہادت سب سے آخری آسمانی وحی قرآن حکیم نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے :

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ آپ یقیناً خلق عظیم رکھتے ہیں ۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منصبِ نبوت کے متعلق ارشاد فرمایا :

بعثت لاتمم حسن الاخلاق میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معلّمی کے فرض کو جس حسن و خوبی سے انجام دیا وہ ایک ابدی و سرمدی نمونہ عمل ہے ۔ اس فریضے کی انجام دہی کے لئے آپؐ نے جس خلوص جذبے محنت، محبت اور ہمدردی کو اپنایا اللہ تعالٰی نے اسے انتہائی بصیرت افروز انداز میں اس آیت میں بیان فرمایا ۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۔ اے پیغمبرؐ ! اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے رنج کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں

جب تک معلّم کو اپنے مقصد و مشن کے ساتھ ایسی ہی وابستگی نہ ہو اس وقت تک وہ صحیح معنوں میں تعلیم و تبلیغ کے منصب پر فائز ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، اعمال اور سیرت و کردار کا جو نمونہ بحیثیت مجموعی نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے ۔ اسے قرآن حکیم نے تمام انسانیت کے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے اور قیامت تک تعلیم و تبلیغ سے وابستہ انسانوں کو اسے اپنانے کا حکم دیا ہے ۔ چنانچہ قرآن حکیم کی تعلیم ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ تحقیق تمہارے لئے اللہ کا رسولؐ بہترین نمونہ ہے ۔

تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ معلمین اسلام نے فرائض تعلیم سنبھالنے سے پہلے اپنی سیرت و کردار کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالا ۔ پورے جذبے، شوق اور مشن کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کی بکمال خلوص، محنت

© rasailojaraid.com

اور جانفشانی اپنے تلامذہ میں علم و ہنر کی جستجو اور تحقیق و اجتہاد کی تڑپ پیدا کی ۔

عہد حاضر میں اخلاق و کردار کی پستی اور سیرت و اعمال کی گراوٹ کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بحیثیت مجموعی اس کی تہہ میں معلّمین کا کردار پوشیدہ ہے ۔ انکی مقصد و مدعا سے لاپرواہی، محنت و جانفشانی سے پہلوتہی، طلبہ سے بے رغبتی، وہ عوامل ہیں جن کا پرتو ان کے زیرِ تعلیم طلبہ کی ذات و شخصیت پر پڑتا ہے ۔ جب تک معلّمین اپنی سیرت و کردار اور اعمال و افعال کو اُسوۂ حسنہ کے مطابق نہیں ڈھالتے اور اپنے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ کردار کو طلبہ کے لئے نمونے کے طور پر پیش نہیں کرتے اس وقت تک قومی و ملی اخلاقی گراوٹ کا رُخ تعمیر و ترقی کی طرف نہیں موڑا جا سکتا ۔

نظامِ تعلیم سے وابستہ معلّمین کے لئے لازم ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ " وانك لعلى خلق عظيم " اور آپؐ کے کردار " فلعلك باخع نفسك على آثارهم ان لم يومنوا بهذا الحديث اسفا " کو اپنائیں اور اس کے مطابق تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دیں ۔

نصابِ تعلیم و تربیّت

قرآن حکیم کی سورہ بقرہ، آل عمران اور جمعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد اور آپؐ کی نبوّت اور رسالت کے فرائض منصبی بیان ہوئے ہیں ۔ انہیں مقاصد نبوّت کے مطابق آپؐ نے اُمّت مسلمہ کی تعلیم و تربیت فرمائی اور انہیں بنیادی تعلیمی اُصولوں پر عہد نبوی کا نصاب تعلیم و تربیّت مشتمل تھا ۔

۱ ۔ تلاوت آیات (يتلوا عليهم آيٰتك)
۲ ۔ تعلیم کتاب (ويعلمهم الكتاب)
۳ ۔ تعلیم حکمت (والحكمة)
۴ ۔ تزکیۂ نفس (ويزكيهم)

تلاوت آیات

سب سے پہلے تلاوت آیات کو لیجئے ۔ امام راغب اصفہانی تلاوت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

والتلاوة تختص باتباع كتب الله المنزلة	تلاوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتب کی اتباع کیلئے مخصوص ہے

.com

.com

اس کے ساتھ ہی تلاوت کا یہ معنی بھی ہے۔

یقال فی القرآن فی شئ	قرآن حکیم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب
اذا قرأته وجب علیک	تو نے اس میں سے کچھ پڑھا تو تیرے
اتباعہ ۔	اوپر اس کی اتباع واجب ہو گئی ۔

تلاوت سے مراد قرآن کریم کی اوامر و نواہی اور احکام و تعلیمات کی تلاوت، ان پر عمل کے نقطۂ نظر سے کرنا ہے ۔ تلاوت کے دو مفہوم ہیں :

(۱) قرآن کے الفاظ کی حفاظت اور ان کا تقدّس ۔

(۲) قرآنی احکام و قوانین اور اخلاقی و رُوحانی تعلیمات کی اتباع ۔

اس سے ظاہر ہے کہ "یتلوا علیھم اٰیٰتک" کا مفہوم یہ ہوا کہ قرآنی آیات کو عام کیا جائے ۔ انہیں نہایت دلسوزی کے ساتھ تلاوت کر کے ذہن نشین کیا جائے، قلب و روح پر ان آیات کو نقش کیا جائے، ملک و معاشرے میں موجود ہر فکر و فلسفہ پر ان آیات کا غلبہ ہو شعر و ادب پر قرآنی آیات کی چھاپ ہو ۔ معاشرے میں تمام افکار و خیالات ان کے تابع ہوں ۔ انفرادی و اجتماعی زندگی میں ان کا چرچا ہو ۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعثت سے وصال تک مسلسل اسطرح تلاوت فرمائی کہ قرآنی آیات روزمرہ کا موضوع بن گئیں ۔ موافق و مخالف سب انہیں کے متعلق گفتگو کرتے ۔ آپؐ نے تلاوت کے ذریعے قرآن کو اتنا عام کر دیا کہ قبل از اسلام کا شعر و ادب دب کر رہ گئے ۔ ہر جگہ ہر مقام پر قرآنی آیات کا چرچا ہونے لگا حتیٰ کہ قبل از اسلام عرب تہذیب و ثقافت کا سرمایہ "سبع معلقات" بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھے اور ان کی جگہ قرآنی آیات نے لے لی ۔

آج اگر عہد نبویؐ کے نصاب تعلیم کے پہلے جزو "تلاوت آیات" پر مبنی ملک کے نظام تعلیم کو ترتیب دیا جائے تو نہایت صدق اور اخلاص کے ساتھ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں "تلاوتِ آیات" کو نصاب تعلیم میں پوری پوری اہمیت دینا ہو گی ۔ ایک مقررہ مدت کے اندر اندر ملک کے ہر فرد میں تلاوتِ آیات کی استعداد پیدا کرنا ہو گی ۔ اس کا عملی طریق کار یہ ہو سکتا ہے ۔

(۱) ہمارے نظام کے درجہ ابتدائیہ (پرائمری) میں پورے قرآن کی ناظرہ تعلیم

© rasailojaraid.com

لازمی قرار دی جائے تاکہ ملک کے ہر پرائمری پاس بچے میں پورے قرآن حکیم کو ناظرہ طور پر پڑھنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔

(۲) اس سلسلے میں دوسرا قدم یہ اٹھایا جائے کہ قرآن حکیم کی بنیادی تعلیمات کا خلاصہ مختلف موضوعات کے تحت آسان اور عام فہم اردو زبان میں طلبہ کو پڑھایا جائے۔

تعلیم کتاب عہد نبوی کے نصاب کا دوسرا بڑا اصول تعلیم کتاب ہے۔ کتاب سے مراد اللہ تعالیٰ کی سب سے آخری وحی کتاب اللہ ”قرآن حکیم“ ہے۔ اس کی تعلیم سے مراد اس کے احکام، تعلیمات، ارشادات، ہدایات اوامر و نواہی کی تعلیم ہے۔ پوری کتاب کو سمجھنا اس کے معانی و مفاہیم کو جاننا، اس میں دیئے گئے احکام کا علم حاصل کرنا اس کی تعلیمات ارشادات اور ہدایات کا فہم و ادراک پیدا کرنا اس کے اوامر اور نواہی کو سیکھنا، تعلیم کتاب ہے۔ قرآن حکیم خالق کی طرف سے مخلوق کے لئے آخری مکمل، تمام، کمال، غیر متغیر، غیر متبدل، ابدی، سرمدی ہدایت ہے ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ اسے پڑھے، اسے سیکھے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرے۔ تعلیم کتاب میں فرد سے زیادہ معاشرے پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کا اہتمام کرے۔ عام حالات میں ہر فرد کو خود بخود تعلیم کتاب کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا اس لئے یہ معاشرے کا فرض ہے کہ وہ ایسا نظام تعلیم معرض وجود میں لائے جس کی بنیاد، تعلیم کتاب پر ہو۔ قرآنی آیات کو پڑھنا اور انکی تلاوت کرنا تلاوت آیات ہے۔ تعلیم کتاب سے مراد ان آیات میں دی گئی تعلیمات کو سیکھنا، انہیں جاننا اور ان پر عمل کرنا ہے۔ یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے کہ تلاوت کے علاوہ قرآنی آیات کا معنی اور مفہوم سمجھا جائے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ملک و ملت کے ہر فرد کو اس کا اہل بنانا کہ وہ قرآن حکیم کی جملہ تعلیمات کو سمجھ سکے۔ اسلامی معاشرت کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اسلامی معاشرہ اپنے اس فریضہ کو اپنی حکومت کی وساطت سے انجام دیتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی حکومت پر اس فریضہ کی اصل انجام دہی عائد ہوتی ہے۔ حکومت تمام مسلمانوں کے لیے ”تعلیم کتاب“ کا اہتمام اپنے نظام تعلیم کے ذریعے کر سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک

مسعودہ عہد میں جو نصابِ تعلیم ترتیب دیا تھا۔ اس میں تعلیم کتاب ہی کو بنیادی، محوری اور مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ آپؐ کی حکومت کے جملہ ذرائع و وسائل تعلیم کتاب کیلئے وقف تھے۔ سربراہ حکومت اور تمام اعیان و اعزان مملکت تعلیم کتاب میں مصروف تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے خصوصی تربیت گاہیں برائے اساتذہ قائم فرمائیں۔ تربیت یافتہ اساتذہ کو ملک کے طول و عرض میں تعلیم کتاب کے لئے مامور فرمایا۔ مسجد سب سے بڑی درسگاہ قرار پائی۔ ملک کی تمام مساجد تعلیم کتاب کے لئے وقف تھیں۔ اور تمام مسلمانوں پر فرض تھا کہ وہ مسجد میں حاضر ہوں اور کتاب کا علم حاصل کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کا نظام تعلیم ایک مثالی نظام تھا۔ اس نظام کے ذریعے ہر مسلمان میں اتنی استعداد پیدا کر دی گئی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اس کی کتاب قرآن حکیم کو پڑھ کر خود سمجھ سکتا تھا۔ کتاب اللہ کی اس وسیع پیمانے پر تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاست، عدالت، حکومت، تہذیب تمدن، ثقافت، نہایت آسانی، دل رغبت اور سہولت کے ساتھ اسلامی رنگ اختیار کرتے چلے گئے۔ تعلیم کتاب نے مسلمانوں کے اخلاق و کردار پر اثر انداز ہوئی اور مسلمان کتاب اللہ کی تعلیمات کے زیر اثر انسانیت کے لئے نمونہ بن گئے۔ ان کے اعمال، افعال، سیرت، کردار، تہذیب اور اخلاق انسانیت کے لئے معیار قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ نظام حکومت کو چلانے والے عمال اور حکام دیانت، امانت، محنت اور خدمت کا شاہکار بن کر سامنے آئے۔ عوام صدق، خلوص، ایثار، ہمدردی، اخوت محبت، اتحاد و اتفاق کا مجسمہ بن کر دوسری انسانیت کے سچے محسن و غمخوار ثابت ہوئے۔ شر، فساد، فحش، منکر، مغلوب ہو گئے اور خیر و معروف، صلاح، فلاح غالب ہو گئے۔ بزدلی چوری، دغا، فریب، مکاری، عیاری، کی جگہ شجاعت، اولوالعزمی، بلند ہمتی، عزم صمیم، صدق اور خلوص اسلامی معاشرت کا طرۂ امتیاز قرار پائے۔ یہ وہ نتائج ہیں جو صرف ایک درست قدم اٹھانے سے برآمد ہوئے اور یہ درست قدم تعلیم کتاب کو نظم تعلیم کا مرکز قرار دینا تھا۔

"تعلیم کتاب"، کو موجودہ نظم تعلیم میں رائج کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ درجہ ثانویہ (میٹرک) تک اسے لازمی قرار دیا جائے۔ ان پانچ سالوں میں "تعلیم کتاب" کو اس طرح نصاب کا حصّہ بنایا جائے کہ میٹرک پاس کرنے تک ہر طالبعلم لازمی طور پر

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کا ترجمہ سیکھ جائے اور قرآن کی بنیادی تعلیمات کو پوری طرح سمجھ جائے جس طرح حصۂ پرائمری میں پورا قرآن ناظرہ پڑھا دیا جائے۔ اسی طرح حصۂ میٹرک میں پورے قرآن کا ترجمہ سکھا دیا جائے۔

تعلیم حکمت قرآنی نصابِ تعلیم و تربیت کا تیسرا بڑا اصول تعلیم حکمت (والحکمۃ) ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا۔ حکمت سے مراد دین کی معرفت اس کی فقہ اور اسکی اتّباع ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حکمت سے مراد سنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ امام رازی نے فرمایا کہ کتاب سے مراد قرآنی احکام ہیں اور حکمت سے مراد ان احکام و شرائع کی حکمت اور ان میں انسانیت کے لیئے مصالح و منافع کا بیان ہے۔ ان آئمہ مجتہدین و مفسّرین کی آراء سے ظاہر ہوا کہ قرآنی نصابِ تعلیم کا اصول "والحکمۃ" ایک نہایت جامع اصطلاح ہے۔ جس میں وہ تمام علوم سمٹ آتے ہیں جن کا تعلق کتاب و سنّت کی تعلیم سے ہے۔ کتاب و سنت کی تعلیمات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ دینی و دنیوی امور پر مشتمل ہر وہ چیز جو دُنیا و آخرت میں انسانیت کے لیئے فائدہ مند اور نفع بخش ہے ان تعلیمات میں موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ حکمت اسرار و رموز دین الٰہی کی گرہ کشائی بھی ہے اور کتاب و سنّت کی تعلیم سے موافق اور انکے مطابق تمام علوم و فنون بھی ہیں۔ یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ جب سنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دقت نظر سے مطالعہ کیا جائے آپ کے ارشادات، فرمودات، تقاریر، اقوال، افعال و اعمال پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ قانون، تعلیم، حکمت، عدالت، معاشرت، معیشت، سیاست، تہذیب و تمدن، کی تشکیل اور اخلاق و کردار کی تعمیر سب حکمت کی عمدہ تفسیر ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ تمام معاشرتی و سائنسی علوم جو انسانیت کی فلاح و بہبُود کے لیئے ضروری ہیں اور وہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے موافق ہیں وہ سب اسلامی ہیں اور انکی تحصیل ضروری ہے۔

حکمت رُوح دین ہے اسے موجودہ نظام تعلیم میں بی، اے، بی۔ ایس سی تک پڑھایا جائے قرآن کی تعلیمات کی غایت اور انکی رُوح پر مبنی نصاب تیار کرکے نظام تعلیم کے جملہ شعبہ جات کی گریجویٹ سطح پر نافذ کیا جائے۔ نصاب حکمت کی ترتیب و

تدوین میں امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ، ابن خلدونؒ، امام شاہ ولی اللہؒ، علامہ اقبال کی خدمات سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ میٹرک کی سطح تک تلاوت و تعلیم کتاب کے بعد گریجویٹ سطح تک تعلیم حکومت کے اہتمام کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس مجوزہ نظام تعلیم سے پیدا ہونے والے ڈاکٹر، انجینئر، ماہرین، معاشیات، سیاسیات، معاشرت، عدالت، تعلیم، پوری طرح کتاب وسنت سے سرشار ہوں اطراف واکناف عالم میں پھیل جائیں وہ جہاں کہیں جائیں اسلام کے مبلغ ہوں۔ ان کے اخلاق وکردار خود سراپا دعوت اسلامی ہوں۔ یہی وہ طریق تعلیم ہے جو مغربی استعمار سے قبل اسلام میں رائج تھا۔ اس کے فارغ التحصیل تاجر بھی مبلغ تھے، اس وقت کروڑوں اسلام کے نام لیوا انہیں مبلغین اسلام کے مرہون منت ہیں۔

تزکیہ نفس

اسلامی نظام تعلیم وتربیت کا چوتھا بنیادی اصول تزکیہ نفس ہے۔ دین کی سمجھ، تعمیر سیرت وکردار میں تزکیہ نفس کو محوری حیثیت حاصل ہے۔ اذہان وقلوب کی تمام اخلاقی بیماریاں، نیتوں اور ارادوں کے تمام فسادات کا علاج تزکیہ نفس ہے۔ سرکاری عدالتی، تعلیمی، سیاسی معاشرتی، جملہ امراض اور انکے انسداد وتدارک کا واحد حل تزکیہ نفس ہے۔ عہد رسالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انتہائی گمراہ، بدعنوان اور حیوانی صفات واوصاف کی حامل قوم کو تزکیہ نفس کے ذریعے دنیا کی سب سے بڑی با اخلاق، مہذب، متمدن اور صاحب سیرت وکردار قوم بنا دیا تھا۔ خلفائے راشدین نے اسلام کے نظام تعلیم اور اس کے بنیادی اصول تزکیہ نفس کی بدولت ایران، عراق، شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ کے انسانوں کو انسانیت سکھائی اور بعد کے ادوار میں یہ سلسلہ پوری دنیا میں پھیلتا چلا گیا۔

تزکیہ نفس کا عمل نظام تعلیم کے تمام مدارج کا لازمی جز ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ جو لوگ سمجھے بغیر قرآنی آیات کی تلاوت کرتے ہیں وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور جو لوگ قرآن مجید کو ترجمہ کی مدد سے پڑھتے ہیں وہ تو یقیناً اس کا واضح اثر قبول کرتے ہیں۔ مگر تزکیہ کا تعلق علم وتعلیم کی بجائے عمل سے زیادہ ہے۔ تلاوت اور تعلیم کتاب وحکمت کا تعلق تو تدریس سے ہے مگر تزکیہ کا تعلق خالصۃً عمل سے ہے تزکیہ نفس میں معلّم کی ذات، سیرت وکردار اور نمونہ عمل بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔

© rasailojaraid.com

اُستاذ ایک طرف قرآنی تعلیمات کی تدریس کے فرائض انجام دے اور دوسری طرف ان تعلیمات کا عملی مجسمہ بن کر اپنی سیرت و کردار کے اعلیٰ عمدہ اور پاکیزہ نقوش طلبہ کے صاف اذہان و قلوب پر ثبت کرے۔ قرآن کریم میں تطہر اور تزکیہ کی اصطلاحات ساتھ ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ تطہر کا مفہوم یہ ہے کہ رذائل سے اجتناب اور فضائل سے آراستگی معلّم کے فرائض منصبی کا لازمی جزو ہے۔ تزکیہ نفس کا مطلب ترک دُنیا ہرگز نہیں۔ دنیا میں تزکیہ نفس کی افضل و اکمل ترین مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جتنی بھرپور زندگی آنحضرتؐ نے گذاری دُنیا میں اسکی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا گیا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنہ۔

تربیّت گاہیں

عہد نبویؐ کے نظام تعلیم و تربیت کا جو اجمالی خاکہ پیش ہوا اور اسکی روشنی میں موجودہ نظام تعلیم کی ترتیب و تدوین نو کے لئے جو تجاویز پیش ہوئیں ان پر عمل کی صورت میں آئندہ نسل کے اخلاق و کردار کی اصلاح کی توقع کی جاسکتی ہے مگر موجودہ نسل کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس طرز پر مدونہ و مرتبہ نظام تعلیم کے لئے اساتذہ کہاں سے میسّر آئیں گے انہیں تقاضوں کے پیش نظر یہ تجویز ہے کہ اس نظام کا نقطۂ آغاز تربیت گاہیں قرار دی جائیں۔ اس وقت ہر درجہ تعلیم میں تعیناتی سے قبل اساتذہ کو تربیت قبل از ملازمت دی جاتی ہے۔ اگر ان تربیت گاہوں کو فعال بنا کر انکے نظام تعلیم و تربیت کو دینی و ملّی تقاضوں سے ہم آہنگ کر دیا جائے تو ایک مختصر مدّت میں مطلوبہ معیار و قابلیت کے اساتذہ ہر سطح تعلیم پر میسّر آسکتے ہیں۔

اس مقصد کا حصول تین اہم امور پر منحصر ہے:

اوّل۔ تربیت گاہوں کو تعلیم گاہوں پر ترجیح دیجائے قابل ترین، دیانتدار محنتی اور جوش عمل اور عقیدہ سے سرشار اساتذہ کو تربیّت گاہوں میں مقرر کیا جائے اس صورت میں اگر ایسے اساتذہ کو زیادہ سے زیادہ مراعات بھی دینی پڑیں تو ان سے دریغ نہ کیا جائے تاکہ وہ پوری دلجمعی کے ساتھ مستقبل کے اساتذہ کی تربیت کے فرائض انجام دے سکیں۔

باقی صفحہ ۵۵ پر